''یہ درخت ہماری محبوب جگہ ہے۔ ہم چھٹی کے روز سارا دن یہاں چڑھے رہتے ہیں۔'' وہ شاخ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ مدھم سرخ روشنی میں اس کی آنکھیں اور بال بھورے اور رنگ گندمی تھا۔ اس کا بازو جو شاخ پر رکھا تھا گول اور صحت مند تھا اور تنگ آستین میں سختی سے پھنسا ہوا تھا۔ بے اختیار نعیم کا جی چاہا کہ اس ابھری ہوئی جگہ کو چھوئے جہاں سے آستین نے جلد کو دبا رکھا تھا۔ وہ شاخ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''آپ کی کافی گرم ہے؟''

''کچھ زیادہ ہی گرم ہے۔'' نعیم نے کہا۔

''اوہ......'' وہ اسی طرح سر پیچھے پھینک کر ہنسی جیسے شام کے وقت برآمدے میں ہنس رہی تھی۔ اس کی گردن چوڑی ہو گئی اور نرخرہ تیزی سے کانپنے لگا۔ وہ بے حد جاندار ہنسی تھی۔ ''آپ کا منہ جل گیا؟'' نعیم برا سا منہ بنا کر ہنسا۔

''یہ بہت اچھا ہوا۔'' وہ ایک جارحانہ انداز میں خوشی سے بولی اور دونوں ہاتھ اوپر باندھ کر شاخ کے ساتھ جھول گئی۔

''ارے......'' دفعتاً وہ جھینپ گئی۔ ''مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ روشن آغا ناراض ہوں گے۔ وہ ہمیشہ مجھے اس پر چڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ آپ خفا تو نہیں ہوئے۔ میں نے آپ سے مذاق کیا ہے۔'' وہ قہوہ پیتی ہوئی بولی۔

''نہیں [illegible] پی لی ہیں۔''

''ارے......اوہ۔'' وہ سادگی سے ہنس پڑی۔ ''لائیے آپ کے لیے اور لا دوں۔''

''میں یہی پیوں گا۔''

''یہی؟'' اس نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

''ہاں۔ یہی۔''

حیرت کے مارے اس کی آنکھیں اور زیادہ پھیل گئیں۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا: ''پیالے بالکل ایک جیسے ہیں۔''

وہ خاموشی سے کھڑے قہوہ پیتے رہے۔ سامنے سے باتوں کا شور آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا۔ ہوا میں خنکی آ گئی تھی۔ عذرا کے بال پیچھے کی طرف اڑنے لگے۔ نعیم خاموش کھڑا اس کے بازو اور گردن کو دیکھتا رہا۔ قہوہ پیتی ہوئی وہ اپنے موٹے سرخ ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

''میں اس ساری تقریب کا مطلب نہیں سمجھا۔ یہ جو آج ہوئی۔'' نعیم نے کہا۔

''آپ کو کسی نے نہیں بتایا؟ ارے...... یہ دراصل اس طرح ہے۔ روشن پور کا مالک روشن آغا کہلاتا ہے۔ یہ تقریب اسی سلسلے میں تھی۔ آج سے بابا روشن آغا کہلائیں گے۔ اس سے پہلے بڑے ابا تھے۔''

''بے حد دلچسپ تقریب تھی۔''

UrduPhoto.com

"کیوں یہ خاص خاندانی تقریب ہے۔ بابا کا لباس بھی خاندانی ہے۔ صرف آج کے دن پہننے کے لئے ہے۔" وہ احترام سے بولی۔

"جنہوں نے تقریر کی وہ کون ہیں؟"

"ہمارے خاندان کے سب سے عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔"

"اور وہ خاتون؟"

"میری خالہ ہیں۔ یہیں رہتی ہیں۔"

"آپ کی والدہ؟"

"ممی پردہ کرتی ہیں۔" اس نے پیالہ خالی کر کے شاخ پر رکھتے ہوئے اچانک نعیم سے پوچھا۔ "آپ انگریزی لباس پہنتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"اتوار کو ہم پرویز کے بی۔ اے۔ کرنے کی خوشی میں پارٹی کر رہے ہیں۔ آپ بھی آئیں گے؟"

"آؤں گا۔"

"ضرور یاد رکھیے گا۔ پانچ بجے شام۔"

"[illegible]"

"ضرور۔" اس نے پھر کہا۔ نعیم ہنس دیا۔

"شب بخیر۔" وہ سبزے پر سے گزر کر روشن آغا کی طرف چلی گئی۔ وہ دوسرے کونے میں اونچی گول ٹوپی پہنے بیٹھے سر ہلا رہے تھے اور بار بار تلوار سنبھالتے جا رہے تھے۔ نعیم عذرا کو سبزے پر چلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس وقت وہ اس لاابالی لڑکی سے بہت مختلف تھی جو شام کے وقت انگریزی لباس پہنے برآمدے میں دوڑ رہی تھی۔ بڑی شدت سے یہ خواہش نعیم کے دل میں پیدا ہوئی کہ وہ مڑ کر اس کے پاس چلی آئے اور وہ اس کے ہونٹوں، بازوؤں اور گردن کو قریب سے دیکھے۔

کچھ دیر کے بعد وہ جا کر ایاز بیگ کے پاس بیٹھ گیا جو لنگڑے یاقوتی کو کسی عمارت کے تعمیری نقائص کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اسے خاموشی سے ایاز بیگ کی باتیں سنتے ہوئے پا کر نعیم کو دکھ ہوا۔

آدھی رات کے قریب مہمان رخصت ہونا شروع ہوئے۔ روشن آغا کو "شب بخیر" کہہ کر جمائیاں لیتے اور ڈکاروں کو روکتے ہوئے وہ اپنی اپنی سواریوں میں جا کر بیٹھنے لگے۔ نچلے طبقے کے چند لوگ ابھی تک شور مچا کر روانہ ہوتی ہوئی موٹر کاروں کو دیکھنے کے لئے باہر کھڑے تھے۔

جب نعیم ایاز بیگ کے ساتھ آخر میں 'شب بخیر' کہہ کر اپنی بگھی کے قریب آیا تو اسے نیند آ رہی تھی اور زیادہ کھا جانے سے پیٹ بھاری ہو رہا تھا۔ سوار ہونے سے پہلے ایک طاقتور خواہش کے تحت مڑ کر اس نے سارے

روشن محل پر نظر دوڑائی۔ باغ میں ہر طرف نوکر خاموشی سے پھر رہے تھے اور برآمدہ سنسان پڑا تھا۔ درختوں میں سرخ قمقمے زور زور سے جھول رہے تھے۔ وہ بے دلی سے اچک کر ایاز بیگ کے برابر بیٹھ گیا۔

"عذرا نے اتوار کی شام کو دعوت دی ہے چائے کی۔" اس نے کہا۔

جواب کی بجائے چند مچھر اس کے چہرے سے ٹکرائے۔ اس نے چچا کی طرف دیکھا۔ ان کا کھلا کھلا' سپاٹ' معمولی خدوخال کا چہرہ تھا جیسا عام کام کرنے والے لوگوں کا ہوتا ہے۔ اس پر کوئی گہرائی نہ تھی' اس پر ہر تاثر صاف واضح ہو جاتا تھا۔ وہ چونک اٹھا۔

"تم تقریر کرنے کے لئے وہاں نہیں گئے تھے۔" ایاز بیگ نے مڑ کر کہا۔ "تمہیں پتا ہے تلک کا نام لینا ہی دہشت پسندی میں شمار ہوتا ہے۔ کوئی اور جگہ ہوتی تو تمہیں گرفتار کر لیا جاتا۔ روشن محل کی تقریب تھی اس لئے......" نعیم بیٹھا سوچتا رہا' پھر آہستہ سے بولا "مجھے افسوس ہے چچا وہ ہمارا سب کا ایسا ہیرو ہے۔ ورنہ۔۔۔"

تھوڑی دیر تک دونوں خاموش بیٹھے [illegible] کھاتے رہے۔ پھر ایاز بیگ نرم لہجے میں بولے۔ "ہمارا خاندان [illegible] باتوں کی وجہ سے تباہ ہو چکا ہے۔ میں نے تمہیں تعلیم دلوائی۔ ساری امیدیں...... تم میری ساری زندگی ہو۔ ایک روز تمہیں پتہ چلے گا کہ میں نے کتنا دکھ سہا۔"

نعیم کو خیال ہوا کہ وہ رو رہے ہیں۔ اس نے انکھیوں سے دیکھا۔ ان کی خشک' چمکتی ہوئی [illegible] تمہیں دیکھ کر ہی کو خوشی ہوئی [illegible]

(۳)

جب نعیم روشن محل میں داخل ہوا تو پارٹی شروع ہو چکی تھی۔ پھاٹک پر ایک اونچی سی سیاہ موٹر کار کھڑی تھی۔ قریب ہی پرویز کھڑا اس کے مالک سے باتیں کر رہا تھا۔ نعیم سے اس کا تعارف کرایا گیا۔ صاحبزادہ وحید الدین' کالج میں پرویز سے دو سال سینئر رہا تھا' محکمہ تعلیم میں افسر اعلیٰ منتخب ہوا تھا۔ یہ سب باتیں اسے اسی تعارف کے دوران معلوم ہوئیں۔ پھر مصروفیت سے ایپرن کے ساتھ ساتھ پونچھتی ہوئی ایک انگریز لڑکی کو ٹھہرا کر نعیم سے تعارف کرایا گیا۔

"معاف کیجئے' میرے ہاتھ کالے ہیں۔ ہم نے خود ہی چائے بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔" اس نے بے حد خلوص سے کہا اور بجری کی سڑک کو پار کر کے لان پر اتر گئی۔ وہاں برگد کے پرانے درخت کے نیچے ہنگامہ مچا تھا۔ آج وہاں کوئی کرسی نہ تھی اور نہ میز۔ دو تین سٹول پڑے تھے جن پر دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اکڑوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ پاس ہی دو بچے سبزے پر لیٹے ایک تصویر دار رسالے کی ورق گردانی کر رہے تھے۔ ان سے پرے عذرا ایک چولہے سے سٹوو کو جلانے میں جتی ہوئی تھی اور آٹھ دس لڑکے لڑکیاں اسے گھیرے ہدایات دے رہے تھے۔

سامنے سے دو لڑکیاں چلی آ رہی تھیں۔ ایک کے ہاتھ میں چائے کے برتنوں سے بھری ہوئی بید کی ٹوکری تھی، دوسری پانی کی کیتلی اٹھائے ہوئے تھی۔

انگریز لڑکی سٹوو کے قریب پہنچ کر گھٹنوں کے بل سبزے پر جھکی اور ہولے سے بولی: "وہ تمہارا خوبصورت دوست آ رہا ہے۔"

عذرا نے سر اٹھا کر دیکھا اور دیکھتی رہی۔

"لیکن آج شریف آدمی لگ رہا ہے۔"

"ہشت۔" عذرا نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک لمحے کی سراسیمگی جو اس پر طاری ہوگئی تھی بے ساختہ مسرت میں تبدیل ہوگئی۔ "سلام علیکم" اس نے کہا اور اپنے تیل اور کالک لگے ہاتھوں میں نعیم کا ہاتھ پکڑ کر کالا کر دیا۔ قہقہوں کے درمیان وہ سرخ ہوگیا۔

"لذیا نے آج مشورہ دیا کہ چائے خود ہی بنائی جائے۔ اب مزا آ رہا ہے سب کو۔ دیکھئے۔" اس نے سٹوو کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ اب آدھے درجن لڑکے لڑکیاں کشتی لڑ رہے تھے۔ ان سب کے چہرے پسینے سے تر تھے اور بے حد انہماک سے وہ اسے جلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

عذرا آج بے حد صحت مند اور چاق چوبند نظر آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں چمک دار تھیں۔ گو ہنستے ہوئے اس [illegible] کی اداسی کا وجود اڑتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ نعیم کے سارے بدن میں مسرت کی سنسنی دوڑ گئی۔

کیتلی سٹوو پر رکھ کر وہ باتیں کرنے لگے۔

"وحید، اپنی نوکری لگنے کی، نہ تم نے ہمیں کوئی پارٹی دی ہے نہ کچھ" کھڑے پاجامے اور قمیض دوپٹے والی ایک لڑکی نے کہا۔

"ہاں ہاں۔" انگریز لڑکی بات کاٹ کر چلائی۔ "اب تم برسرِ روزگار ہو۔ چلو پارٹی دو ہمیں فوراً" کنجوس نام......"

"اتنی پارٹیاں تو کھا چکی ہو اور ابھی کنجوس نام ہوں......"

"بر روزگار ملنے کی خوشی میں کوئی نہیں ہوئی۔"

بات کو بیچ میں چھوڑ کر وہ قہقہے لگانے لگے۔

"وحید یہ بتاؤ" عذرا بولی "سکول میں لڑکوں کو کیسے پڑھاؤ گے۔" پھر قہقہہ بلند ہوا۔

"اچھا بھئی ٹھہرو سب لوگ۔" پرویز بولا۔ "وہ مسز ملن کی کیا بات ہے وحید؟ تم تو سول کلب جاتے ہو۔"

"کیا؟"

"وہ سنا ہے کہ ملن صاحب کو اس نے مجبور کیا واپس جانے پر۔ اس لئے وہ استعفیٰ دے کر چلے گئے۔"

"ارے ہاں...... وہ...... پتہ نہیں کیا ہوا کہ اور...... لیکن یہ درست ہے کہ اسی نے ملن صاحب سے استعفیٰ دلوایا۔"

اس گفتگو سے اکتا کر لڑکیاں واپس سٹوو کی طرف چلی گئیں۔ چند لڑکے برگد پر چڑھنے کی مشق کرنے لگے۔ جب وہاں پر وحید کے ساتھ اس پرویز اور نعیم رہ گئے تو وہ آواز نیچی کر کے بولا:

"یار قصہ یہ تھا اصل میں کہ وہ نہ جانے کیا سمجھنے لگی تھی خود کو۔ ڈپٹی کمشنر کی بیوی تو تھی ہی اور کافی خوبصورت بھی تھی اور اوپر سے اس چھیل چھبیلی نے یہ سر پہ چڑھا رکھا تھا اسے کہ گھر پہ سلام کرنے کو حاضر ہو رہے ہیں بارہ پارٹی اور برج کھیل رہی ہے تو جناب پارٹی کی پارٹی اردگرد گھٹنے ٹیکے مدد کو حاضر ہے تو بس۔"

"تو بس کیا؟"

"ہونا کیا تھا اب جو کوئی چھدرا م تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ وہ مجھے حاصل نہ کر سکی' نواب زادہ آفتاب کو حاصل نہ کر سکی' اے۔ ایس۔ پی کو حاصل نہ کر سکی' تو دل برداشتہ ہو کر خاوند سے استعفیٰ دلوا دیا۔" صاحب زادہ وحید الدین نے فاتحانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ پرویز نے مرعوب ہو کر سنجیدگی سے سر ہلایا۔

عذرا بار بار کیتلی کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ تین چار لڑکیاں مختلف قسم کے کیک اور مٹھائیوں کو ڈبوں میں سے نکال نکال کر پلیٹوں میں لگا رہی تھیں۔ وہ لڑکا جو سٹول پر بیٹھا دو لڑکیوں کے ہاتھ دیکھ رہا تھا' اٹھ کر درخت پر چڑھنے والی پارٹی میں شامل ہو گیا۔ وہاں پہلے سے ہی پانچ چھ لڑکے اوپر شاخوں میں بیٹھے اودھم کر رہے تھے اور بعد میں آنے والوں کو ٹہنیاں توڑ توڑ کر مار رہے تھے۔ قیامت کا شور تھا۔

اس وقت [illegible] پرویز سے عذرا [illegible] کو بھیجا گیا [illegible]

پرویز کہ کر وہ فرمانبرداری سے کیتلی کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔

"ہمیں یہاں پر چائے بھیج دو۔" درخت پر سے ایک لڑکے نے چلا کر کہا۔

"ہمارے پاس کوئی ہوائی جہاز نہیں جو آپ کو بھجوا دیں۔ جو نیچے آئے گا اسے چائے ملے گی۔"

"ہم نیچے نہیں آئیں گے۔ یہاں پر آب و ہوا اچھی ہے۔" دو تین آوازیں آئیں۔

"تم اپنا پروگرام شروع کرو۔" مٹھائیوں کے پاس کھڑے پاجامے والی لڑکی نے تیزی سے کہا۔

عذرا نے جلدی سے بالوں کی پنیں ٹھیک کرتے ہوئے شرافت سے دوپٹہ اوڑھا اور قمیض کا دامن کھینچ کر ٹھیک کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "معزز حضرات!" اس شور میں اس کی آواز گم ہو کر رہ گئی۔

"وحید لوگوں کو چپ کراؤ۔"

وحید ہڑبڑا کر چلایا: "پیاری خواتین و معزز بچو' ارر... لاحول ولا قوۃ۔ معزز خواتین و پیارے بچو۔"

اب سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"عذرا بیگم کچھ فرماتی ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے مطلع کیا۔ نعیم کو ہنسی آ گئی۔

"تازہ خوانی داشتن گر داغہائے سینہ را۔ گاہے گاہے باز خواں۔" عذرا نے افتتاحی شعر پڑھا۔

"تقریر فارسی میں نہیں ہوگی۔ اردو میں ہوگی۔" درخت پر سے آواز آئی۔

''نہیں انگریزی میں ہوگی۔'' انگریز لڑکی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''انگریزی میں ہوگی۔ انگریزی میں ہوگی۔ دھاندلی مت کرو۔'' پرویز نے چپ کراتے ہوئے کہا۔

''آج...... آج''

''اتوار ہے۔'' ایک لڑکی نے چپکے سے کہا۔

''ہیئر ہیئر......'' وحید نے تالی بجائی۔ تالیوں اور قہقہوں کا ایک شور اٹھا۔ پرویز اور نعیم بھی دل کھول کر ہنسے۔ درخت پر کوئی گانے لگا۔

''خاموش رہو۔'' عذرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''خاموش...... خاموش''

''آج بتاریخ سولہ مئی 1913ء کو نواب زادہ پرویز محی الدین کے بی۔ اے۔ پاس کرنے کی خوشی میں چائے کا افتتاح کیا جاتا ہے۔''

''تالیاں بجاؤ۔'' وحید نے کہا۔ تالیاں بجائی گئیں۔

پھر عذرا نے ایک پیالی اس کے سامنے رکھی اور چائے دانی اٹھا کر پکڑائی۔ پرویز نے چائے انڈیلی۔ وحید نے دودھ دان پکڑایا۔ اس نے دودھ ڈالا' پھر ایک چمچہ چینی ڈالی' اس کی تقلید میں عذرا نے اور وحید نے ایک ایک چمچہ چینی کا ڈالا' [illegible] چینی کا بھر کر ڈالا' پھر درخت سے [illegible] کے اتر کر آئے اور اپنے اپنے حصے کی چینی ڈالی حتیٰ کہ چائے باہر گر گئی اور پیالی چینی سے بھر گئی۔

ایک ایک پیالی چائے انہوں نے سبزے پر بیٹھ کر قہقہے لگاتے ہوئے ختم کی' پھر صاحب زادہ وحید الدین نے' جسے ایک سے ایک انوکھے کھیل سوجھتے تھے' اعلان کیا:

''جو شخص بغیر چائے گرائے پیالی لے کر پیڑ پر چڑھے گا اسے موٹر کی سیر کرائی جائے گی۔''

اس کی نئی نئی موٹر میں بیٹھ کر پوری رفتار سے دوڑانے اور نعرے لگانے میں بھی بے پناہ کشش تھی۔ چنانچہ مقابلہ شروع ہوا۔

سب سے پہلے ایک لڑکی غزالہ نام کی آگے بڑھی۔ وہ سکول میں جمناسٹک کرتی تھی اور باسکٹ بال ٹیم کی کپتان تھی۔ لبالب بھری ہوئی پیالی پر نظریں گاڑے ہوئے' احتیاط سے جما جما کر پیر رکھتے ہوئے اس نے چڑھنا شروع کیا۔ چند فٹ تک وہ کامیابی سے چڑھتی گئی' اس کی ہمت بندھانے کے لئے نیچے سے عجیب و غریب نعرے لگائے جا رہے تھے۔ نعروں کے اس شور میں دفعتاً اس کی چائے چھلکی' پھر پاؤں پھسلا اور وہ گرتے گرتے بچی۔ پیالی بہرحال نیچے آ رہی۔ وہ وہیں پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ نیچے مصنوعی یاس و حسرت کی 'آہ' اور 'اُف' بلند ہوئیں۔ اب دوسرا امیدوار بڑھا۔ جلد ہی اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ پھر پیالیاں ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگیں۔

پرویز اُکتا کر چیری کے گملوں کے ساتھ ساتھ ٹہلتا ہوا دوسری جانب چلا گیا۔ جدھر خالہ کھڑی باغبان سے

UrduPhoto.com

باتیں کر رہی تھی۔ نعیم اور عذرا قریب قریب بیٹھے اپنی اپنی پیالیوں میں چائے بنانے لگے۔ انگریزی قمیص دوپٹے والی لڑکی سے کہہ رہی تھی:

"یہ ہندوستان کے نواب۔ اگر ان کو کچھ عرصے کے لیے انگلستان بھیج دیا جائے تو کیا اچھا ہو۔ جمیلہ تم نہیں سمجھتیں۔ میرے والدین کی بھی سکاٹ لینڈ میں جاگیر ہے اور چائے کا ایک سیٹ ٹوٹنے سے ہمارا بھی اتنا کچھ ہی نقصان ہوتا ہے جتنا عذرا کا۔ لیکن ہمیں اس کی سزا میں سارا دن چائے نہیں ملتی۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ جب ہمارے گاؤں کی جھیل پر برف جمی ہوئی تھی اور میں چھوٹی سی تھی تو ...... اوہ، تم نہیں سمجھتیں۔"

مغرب کی طرف سے بادل اٹھ رہے تھے اور فضا گہری ہوتی جا رہی تھی۔ نعیم پیالی ہاتھ میں پکڑے دور اس عجیب و غریب درخت کی طرف دیکھ رہا تھا جس سے چند روز پیشتر اس کی دوستی ہوئی تھی۔

"تم نے کہا تھا وہ تمہاری محبوب جگہ ہے۔"

"ہاں۔" عذرا نے جواب [illegible] دیے۔

عذرا نے پیالہ [illegible] اور ہاتھ شاخ پر باندھ کر جھول گئی۔ "[illegible] کی تقریب کا مطلب آپ سمجھ گئے؟"

"اس کا کوئی مطلب ہی نہیں۔" وہ ہنسا۔ عذرا کود کر شاخ پر بیٹھ گئی۔

"[illegible]"

"ہاں۔ عجیب اتفاق ہے۔"

"اتفاق نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"پہلے مجھے دوسرا پیالہ ملا تھا۔"

"تو؟"

"پھر میں نے جمیلہ سے یہ پیالہ لیا۔"

"کیوں؟"

"شاید آج پھر تبدیل ہو جائیں۔"

عذرا سر جھٹک کر ہنسی: "عجیب منطق ہے۔"

"مگر نہیں ہوئے۔"

"ہاں۔"

"جمیلہ نے پوچھا تھا اس میں کوئی خاص بات ہے۔"

"آپ نے کیا کہا؟"

UrduPhoto.com

"میں نے کہا، "نہیں۔""

"آپ نے جھوٹ بولا؟"

"ہاں۔" وہ خاموش ہو گیا۔

"جمیلہ بڑی پیاری دوست ہے۔ وہ ہمارے سگے رشتہ داروں میں سے ہے۔"

"یہ اچھا لگتا ہے؟" اچانک نعیم نے پوچھا۔

"کیا؟"

"تم نے کہا تھا انگریزی لباس پہن کر آنا۔"

"اوہ..... " وہ ایک دم جھینپ گئی۔

بھورے رنگ کے بادل اب سارے آسمان پر گرج رہے تھے اور ہوا تیز ہو گئی تھی۔ مہین پھوار ان کے چہروں پر پڑنے لگی۔ "بارش شروع ہو گئی۔" [illegible] اتار کر پھینکا اور اوپر چڑھنے لگی۔ نعیم بھی اس کے پیچھے پیچھے چڑھا۔ وہ چاروں ہاتھ پاؤں پر آہستہ آہستہ شاخ پر چل رہی تھی۔ گول، سرخ ایڑیاں نعیم کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ ایک مختصر سے لمحے کے لئے اس کی ایڑی نعیم کے منہ سے ٹکرائی۔ وہ کانپ گیا اور سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس کے نتھنے بھرے ہوئے، گول اور گلابی تھے۔ ہوا اس کے جسم سے رگڑ کھا کر درختوں میں گم ہو رہی تھی اور اوپر ریشمی [illegible] کولہے اور کمر واضح ہو گئے تھے۔ آٹھ دس گز اوپر جا کر وہ بیٹھ گئی اور تیز تیز سانس لینے اور ہنسنے لگی۔ تاریکی چاروں طرف بڑھتی جا رہی تھی۔

"اگر بارش تیز ہو گئی تو؟" نعیم نے پوچھا۔

"تو بھاگ جائیں گے۔"

"میں نے ابھی کچھ پوچھا تھا۔"

"کیا؟"

"یہ لباس۔"

عذرا نے ایک لمحے کو اندھیرے میں غور سے اسے دیکھا۔ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم جب روشن آغا کی پارٹی پر آئے تھے تو بڑے عجیب لگ رہے تھے۔"

"کیسے؟"

"تمہاری ٹوپی کا پھندنا۔"

"چپ رہو۔" نعیم نے اندھیرے میں خود کو سرخ ہوتے ہوئے محسوس کیا۔

وہ ہنسی۔ یہ وہی بے ساختہ، نوجوان، بھاری ہنسی تھی جو اتنی مانوس، اتنی پاگل کر دینے والی تھی۔ بجلی چمکی اور

انھوں نے پتوں میں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور نعیم جو بات اتنے دنوں سے سوچ رہا تھا دفعتاً جان گیا۔ روشن آغا کے چہرے پر جو مانوسیت تھی عذرا کی وجہ سے تھی۔ دونوں کے چہروں پر ایک سا وحشیانہ پن تھا جس نے ان کے ہونٹوں اور آنکھوں کو خفیف سی درندگی عطا کی تھی اور جس سے نعیم روشن آغا کی طرف بھی اسی طرح کھنچ گیا تھا جیسے عذرا کی طرف۔ اس نے ایک پتلی سی ٹہنی توڑی اور ہوا میں ہلانے لگا۔ شام کی گہری نیلگوں بارش سمارے میں بھری ہوئی تھی اور پتوں پر سے قطرے ان کے سروں پر ٹپک رہے تھے۔ وہ ایک ساتھ اٹھے اور اسی طرح چلتے شاخ کے آخر تک چلے گئے۔ یہاں پتے گھنے تھے۔

''کیوں ہنستے ہو؟'' عذرا نے پوچھا۔

''ہم بندروں کی طرح چل رہے ہیں۔'' نعیم نے کہا۔ وہ پاؤں لٹکا کر ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔

برگد کے درخت تلے سے غول کا غول ''بارش بارش'' کا شور مچاتا ہوا برآمدے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ وہاں روشنی تھی اور پرویز کے کمرے میں [illegible] رہی تھی۔ بارش کا اور پیانو کے اکا دکا سُر کا اور باتوں کا شور دور تک آ رہا تھا۔

''تم پیچھے جھپک کر کیوں ہنستی ہو؟''

''کیوں؟''

''یہ [illegible]''

دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر نعیم بولا: ''تمہارے ہونٹ ربڑ کی طرح پھیل جاتے ہیں۔ میرا جی کرتا ہے ہاتھ لگاؤں۔'' وہ دم [illegible] سے بیٹھا انتظار کرتا رہا، پھر مصنوعی ہنسی ہنسا۔

''تم بھی روشن پور میں رہتے ہو؟''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''خالہ نے بتایا تھا۔''

''خالہ نے اور کیا بتایا؟''

''کچھ نہیں..... روشن پور جاؤ گے؟''

''شاید''

''کب؟''

''پتہ نہیں۔''

نعیم نے ہاتھ بڑھا کر اندھیرے میں اس کے ہونٹوں کو چھوا اور ان پر انگلی پھیرتا رہا۔ پھر اس کی ناک اور آنکھوں کو چھوا، پھر گالوں کو دبا کر محسوس کیا، پھر جبڑے اور ٹھوڑی پر سے پھسلتا ہوا اس کا ہاتھ عذرا کے گول، مضبوط کندھے پر آ گرا اور وہیں پڑا رہا۔ گیلے جسموں اور ہرے پتوں کی بو ان کی ناک میں داخل ہو رہی تھی۔

برآمدے میں سے خالد کی تیز آواز گونجی جو عذرا کو بلا رہی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ بارش دفعتاً تیز ہو گئی۔ پھر وہ چونک کر اٹھی اور نعیم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے نیچے کی طرف دھکیلنے لگی۔

''نیچے بیٹھتے ہیں۔'' نعیم نے بھاری آواز سے کہا۔

''چلو......'' وہ خفت اور برہمی سے دانت پیس کر چیخی۔ وہ دونوں بڑے بڑے سیاہ چوپایوں کی طرح چلتے ہوئے نیچے اتر آئے۔

نعیم کو دیکھ کر خالد کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی۔ لیکن اس نے نرمی سے کہا: ''پانی پڑ رہا ہے بی بی۔ آپ کیوں بھیگتی رہیں؟''

پرویز کے کمرے میں ہڑبونگ مچی تھی۔ سب وہاں جمع تھے اور اپنے اپنے کھیلوں اور باتوں میں لگے تھے۔ صرف صاحبزادہ وحید الدین برآمدے میں کھڑے اپنے دلکش' فاتحانہ انداز میں انگریز لڑکی سے باتیں کر رہے تھے۔ برآمدے پر جھکی ہوئی بیل پر سے پانی ٹپک رہا تھا۔

(۴)

UrduPhoto.com

سو[illegible] وہ پردہ اٹھا کر [illegible] اور باہر نکل آیا' منڈیر پر جھک کر نیچے تھوکا اور کراہت سے اندھیرے میں دیکھنے لگا۔ اس کے منہ میں صبح کی مخصوص بو اور پھیکا پن تھا۔ رات وہ بڑی دیر میں روشن محل سے لوٹا تھا۔

اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں ملیں اور ساتھ والی مسہری میں اپنے چچا کو ملتے ہوئے دیکھا۔ رات کس قدر گرم تھی۔ اس نے سوچا۔ لیکن اب اس کا ذہن صاف اور تروتازہ تھا اور وہ بڑی وضاحت اور کاہلی کے ساتھ سوچ سکتا تھا۔ کلکتہ' سینٹ زیویئرز' دلی' روشن محل' عذرا' روشن آغا' ایلی وینسٹ' کوکھلے' عذرا' پرویز' عذرا' جمیلہ' عذرا' عذرا' عذرا' ہونٹ گرمی' مچھر' ہونٹ' بارش' ہونٹ۔ وہ منڈیر پر ہاتھ رکھے کھڑا رہا' حتیٰ کہ دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا۔ پھر ایاز بیگ نے آہستہ سے اسے کندھے پر چھوا اور پیچھے آنے کا اشارہ کر کے سیڑھیاں اتر گئے۔

ناشتہ ختم کر کے انہوں نے سگار سلگایا۔ نعیم چائے کی دوسری پیالی بنا رہا تھا۔

''تم ایک ہفتے سے روشن محل جا رہے ہو؟''

نعیم نے ان کے چوڑے' سپاٹ چہرے کو دیکھا جہاں کوئی تاثر نہ تھا۔ 'ہاں' اس نے کہا۔

''میں نہیں گیا۔''

''اچھا''

''کیوں؟''

نعیم خاموش رہا۔

''کیونکہ روشن پور میں ہمارا خاندان ذلیل ہو چکا ہے۔''

کافی دیر کے بعد نعیم نے کہا: ''میں روشن آغا سے تو نہیں ملا۔''

''مجھے علم ہے۔ عذرا۔ ایں؟ جانتے ہو اس کی ماں بری عورت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ زرد پڑ گئے۔ پھر بڑی کوشش سے انہوں نے اپنی آواز کو قابو میں کر کے کہا: ''اور اس کی بہن بھی۔ ان دونوں کے باپ کا کسی کو علم نہیں۔ لیکن ان کی ماں بڑی ہوشیار عورت تھی۔ اس نے انہیں بڑی اچھی تربیت دلائی اور اونچے گھرانوں میں بیاہا۔'' وہ اُٹھے اور کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے۔ دھوپ ان کے زرد اور بے تاب چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ''ہم باعزت لوگ تھے۔ اب کچھ بھی نہیں ہیں۔ تمہارا باپ میرا بڑا بھائی ہے۔''

پھر کھڑکی میں سگار کو مسل کر وہ نعیم کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ ''تمہیں اب پتہ چل جانا چاہیے۔ اب تم بچے نہیں ہو۔ گاؤں میں ہمارا واحد گھر تھا جو روشن پور کی جاگیر کا مزارع نہیں تھا۔ ہمارا باپ جاگیردار کے گھر جا کر کرسی پر بیٹھتا تھا' ایسا ہم نے سنا ہے۔ وہ دلیر اور محنتی شخص تھا۔ لیکن تمہارا باپ ہمارا وہ......'' انہوں نے دونوں ہاتھ میز پر پھیلا دیے جو مضبوط اور زرد تھے اور تمباکو سے رنگی ہوئی موٹی انگلیوں میں کپکپاہٹ تھی۔ ''وہ بھی دلیر آدمی تھا۔ لیکن ضدی تھا۔ اس کو اسلحہ بنانے کا خبط تھا۔ وہ عجیب و غریب دماغ کا مالک تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کی کاریگری سے ولایت والے بھی [illegible] ہتھیار سنبھال کر رکھتا تھا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے اور وہ دن بھی جب پولیس آئی۔ ہمارے گاؤں کے لوگ گھروں میں چھپ گئے اور کواڑ بند کر لیے۔ گلیاں سنسان ہو گئیں اور مویشی اکیلے اکیلے گلیوں اور کھیتوں میں پھرنے لگے۔ انہوں نے ہمارے گھر کی تلاشی لی اور اسلحہ برآمد کر لیا۔ جب وہ اسے اکٹھا کر رہے تھے تو مجھے یاد ہے نیاز بیگ ان کی منتیں کرنے لگا۔ لیکن ایک سپاہی نے اس کی داڑھی پکڑ کر منہ پر طمانچے مارے اور وہ گھسیٹتے ہوئے اسے ساتھ لے گئے۔''

ان کے ہاتھ اب مردہ پرندوں کی طرح میز پر رکھے تھے اور وہ اپنی پلکیں اور اداس آنکھیں آہستگی سے جھپک رہے تھے۔ ''چند دن بعد تمہارا باپ واپس آ گیا۔ اس کے گالوں کی ہڈیاں سیاہ ہو گئی تھیں اور داڑھی کے آدھے بال جھڑ چکے تھے۔ لیکن اس کا سودا اس کے ساتھ تھا۔ وہ اس سے اس کی ہنرمندی کا فخر نہ لے سکے۔ کوئی بھی نہ لے سکا۔ روشن آغا نے دلی بلا کر اس سے کہا: ''نیاز بیگ تم سارے گاؤں پر تباہی لاؤ گے'' مگر نیاز بیگ بھوسے والے کمرے میں دروازہ بند کر کے اپنے کام میں مشغول رہا۔ اس کے ہاتھ میں بڑا ہنر تھا۔ اس نے دس دس گولیوں والی ایسی ایسی پستولیں بنائیں جو گاؤں میں کسی نے نہ دیکھی تھیں۔

''اب کی دفعہ پوری گارد آئی۔ انہوں نے سب کچھ قبضے میں کر لیا۔ بھوسے والے کمرے کو انہوں نے آگ لگا دی اور سارے کواڑ توڑ کر میدان میں ڈھیر لگا دیا۔ پھر اس پر انہوں نے تمہارے باپ کے اور اس کی بیویوں کے اور میرے تمام نئے خوبصورت کپڑے پھینکے اور آگ لگا دی۔ گورے سارجنٹ نے پستول نکال کر آگ

میں فائر کیا اور چیخ کر بولا' "تمہاری ماؤں کے سر مونڈ کر اس میں جلاؤں گا' اگلی دفعہ۔" پھر پستول لہراتا ہوا ہماری دکان پر گیا۔ گلیوں میں ہو کا عالم تھا۔ گاؤں کی سب سے بڑی دکان ہماری تھی اور نیاز بیگ بڑا ماہرانہ کام کرنے والا تھا۔ اس نے کسانوں کی ضرورت کی تمام چیزوں کے علاوہ تاروں اور سلاخوں سے سمندری جہازوں کے ماڈل بھی بنا کر رکھے ہوئے تھے۔ سارجنٹ نے تالے میں گولی ماری اور دروازہ توڑ کر بازار میں ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر اس پر انہوں نے دکان کے سارے اوزار اور بیلوں کے نعل اور ہل اور کنوؤں کی چرخیاں اور جہازوں کے ماڈل ڈھیر کئے اور آگ میں لوہے کی چیزیں مکھن کی طرح پگھلنے لگیں۔ اس نے آگ میں یکے بعد دیگرے تین فائر کئے اور جانوروں کی طرح چیخ مار کر بولا: "ایک تمہاری بندوقوں کے واسطے ہے۔ اور یہ سارے گاؤں کے واسطے ہے۔ اور یہ تمہاری بیویوں اور بیٹیوں کے واسطے ہے جو بیوہ ہو جائیں گی' اگر تم باز نہ آئے۔" نیاز بیگ' جس کی ہتھکڑیوں کی زنجیر اس کے گھوڑے کی زین سے بندھی تھی' کہتا رہا: "میری بندوقوں سے ایک بھی گولی کبھی نہیں چلی۔ یہ میری نمائش کی چیزیں ہیں۔ لیکن اس نے وحشیوں کی طرح گھوڑے کی پسلیوں میں ایڑیاں مارنا شروع کیں اور میں نے گنے کے کھیت میں بیٹھے بیٹھے دیکھا کہ نیاز بیگ گھوڑے کے پیچھے بھاگتا بھاگتا اوندھا..."

وہ جیسے اوزار کی آواز نعیم کے دل پر پتھر کی طرح چھنتی جا رہی تھی۔ دوبارہ بولنے سے پہلے ایاز بیگ نے جھک کر فرش پر تھوکا۔ لعاب سگار کے تمباکو کی وجہ سے سیاہی مائل تھا۔ "بارہ سال ہو گئے میں اس سے نہیں ملا۔ میں نے اپنی محنت [illegible] تو مجھ پہ سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس نے خاندان کو تباہ کر دیا۔"

"تمہارے ماں باپ اب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ گاؤں آ چکا ہے۔ مگر تمہیں جلد واپس آ جانا چاہیے۔ میں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ میں پڑھ سکتا ہی نہ تھا۔ لیکن ہمارے خون میں ہنر ہے اور تمہیں میں نے تعلیم دلوائی ہے۔ تم دنیا میں ترقی کر سکتے ہو۔"

وہ اٹھے' کونے میں جا کر تھوکا اور تھکے ہوئے بوڑھے جانور کی طرح دھیمی متوازن رفتار سے چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔

نعیم شام تک سوتا رہا۔ تین دفعہ اس کی آنکھ کھلی لیکن نیند کے غلبے کی وجہ سے پھر سو گیا۔ ایاز بیگ نے کئی بار دروازے میں آ کر دیکھا اور خاموش پلٹ گئے۔ جب کمرے میں اندھیرا بڑھنے لگا تو وہ اندر داخل ہوئے' لیمپ جلایا اور نعیم کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"باہر چلو گے؟"

وہ آنکھیں بند کئے چارپائی پر بیٹھا رہا۔ پسینے سے تکیہ گیلا ہو گیا تھا اور قمیض اس کی پشت پر چپکی ہوئی تھی۔

"نہیں......" اس نے بھاری آواز سے کہا۔

لیمپ کی بتی اونچی کر کے ایاز بیگ باہر نکل گئے۔ کمرے میں اس نے گیلی قمیض اتاری' چہرے اور گردن

کا پسینہ پونچھا' اور اسے دور کونے میں پھینک دیا۔ پھر وہ چارپائی پر بیٹھا اونگھنے لگا۔ اس حالت میں اس نے بہت سے ملے جلے' مختصر خواب دیکھے۔ جب اس کا سر نیند میں دیوار سے جا ٹکرایا تو وہ جھنجھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر تک کمرے کے وسط میں باہیں لٹکائے کھڑا دیوار پر اپنے سائے کو دیکھتا رہا' پھر پتلون ٹانگوں پر چڑھائی' نئی قمیض پہنی اور بھاگتا ہوا باہر نکل آیا۔

''شاید گرمی کی وجہ سے ہے۔'' کھلی ہوا میں آ کر اس نے سوچا۔ لیکن غصہ سست رفتار بادل کی طرح اس کے دماغ پر منڈلا رہا تھا۔

دور سے اس نے عذرا کو دیکھا۔ وہ فوارے کے پاس کرسی پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس وقت اس نے ٹھٹک کر سوچا کہ وہ سلیپر پہنے پہنے چلا آیا ہے۔ سبزے پر آہستہ آہستہ چلتا وہ عذرا کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''میں آج شام کو نہیں آ سکا۔'' جمائی روکتے ہوئے وہ میز کے کونے پر بیٹھ گیا۔

''کیوں؟''

''سویا رہا۔''

''کیوں؟''

''گرمی کی وجہ سے۔''

''[illegible]''

''یوں ہی......'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

بجلی کی روشنی میں سبز گھاس اور عذرا کی موجودگی سے اس کا مزاج کھل گیا۔ ''تم انتظار کرتی رہیں۔''

''ہم سب انتظار کرتے رہے۔''

''کون کون؟''

''پرویز...... جمیلہ......''

''تم نے بھی کیا؟''

جواب دینے کی بجائے عذرا نے ہاتھ بڑھا کر پانی کی پھوار کو محسوس کیا۔

''تم نے نہیں کیا؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''کیوں؟''

''کیوں؟'' وہ خفگی سے چلایا۔ وہ دونوں ہنس پڑے اور ندامت سے ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ یہ دھیمی خطاوار ہنسی تھی جو ان کے لبوں پر تھی اور جس نے دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی سے بے حد آگاہ کر رکھا تھا۔

''تم نے آج منہ نہیں دھویا۔ فوارے پر دھو لو۔'' عذرا نے کہا۔

نعیم نے پھوار میں ہاتھ گیلا کر کے چہرے پر پھیرا۔ بھیگی پلکوں کو تیز تیز جھپکتے ہوئے بچوں کی سی ہنسی اس

کے سارے چہرے پر پھیل گئی۔ ایک لمحے کا چور' جو آنکھوں میں ظاہر ہوا تھا' غائب ہو گیا۔

سلیپر اتار کر وہ سبزے پر بیٹھ گیا۔ ''گھاس خنک ہے۔'' اس نے کہا۔

شام کی گرم ہوا اس کے رخ تیز ہو گئی اور فوارے کے مہین قطرے اس کے جسم کو بھگونے لگے۔ وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ اس کا ذہن پہاڑی جھیل کی طرح شفاف تھا۔ اس نے پھوار کو گرتے' ہوا کو تیزی سے چلتے' سبزے کو ہاتھوں کے نیچے سے اٹھتے اور پانی کو زمین میں جذب ہوتے ہوئے واضح طور پر دیکھا اور محسوس کیا۔

''یہاں آ جاؤ'' آنکھیں کھول کر اس نے بھاری آواز سے کہا۔

عذرا تھوڑی ہتھیلی پر رکھے اداس نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ ننھے قطرے اس کے گندمی گالوں پر گر رہے تھے۔ نعیم کو محسوس ہوا کہ اس کا گلا سوج گیا ہے۔ اس نے بے تابی سے گلے پر ہاتھ پھیرا۔

''آؤ......'' اس کی آواز بھاری' خشک اور غیر مانوس تھی۔

عذرا قلم سے ناخن پر لکیریں کھینچتے گئی۔ وہ ......وں کے بل اٹھ کر آ بیٹھی۔

''میں نے آج تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔''

''سب خواب دیکھتے ہیں۔'' وہ ایک کے بعد ایک سارے ناخن کالے کر رہی تھی۔

نعیم ننھے قطروں کو دیکھتا رہا جو اس کے گال' تھوڑی' ناک' ماتھے اور ہونٹوں پر چمک رہے تھے' گویا ہزاروں قمقمے اس کے چہرے پر چمک رہے ہوں۔ اس نے سوچا وہ بندرگاہ پر کھڑا ہے اور جہازوں کی ان گنت روشنیاں پانی میں جھلملا رہی ہیں۔ اس نے بولنا چاہا لیکن اس کا حلق پھر سوج گیا۔ پھر اس کی دو انگلیاں عذرا کے گال پر پھسلیں۔ کئی ننھے ننھے قطرے ٹوٹ کر ایک دوسرے کے ساتھ ملے اور ایک قطرہ اس کی تھوڑی پر جا کر لٹک گیا۔ وہ مڑ کر ہنسنے لگا۔

''تم نے کوئی بندرگاہ دیکھی ہے؟''

''نہیں۔''

''جہازوں کی روشنیاں سمندر میں اسی طرح تیرتی ہیں۔''

عذرا منہ پھیرے اندھیرے میں دیکھتی رہی۔

''میرا جی چاہتا ہے سمندری فوج میں چلا جاؤں۔''

''اچھا؟''

''ہاں۔ یہ ایسا شاندار ہوتا ہے۔ جہاز ایک شہر کی طرح ہوتا ہے جس میں گھر بنے ہوتے ہیں اور دکانیں' کھانے کے ہال کمرے' کھیل کے میدان اور روشنیاں' جو رات کے وقت پانی میں جھلملاتی ہیں۔''

''اچھا؟'' اس نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ ''میں نے یہ سب سن رکھا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے سمندر کا سفر کروں۔''

''جب میں نیوی میں جاؤں گا تو تم بھی ساتھ چلنا۔''

''اچ چ چ اچھا......'' وہ میز پر جھک گئی۔

''چلو گی؟''

وہ خاموشی سے ناخن کھرچتی رہی۔

''چلو گی عذرا؟''

''کیا تم جا سکتے ہو؟'' اس نے ہولے سے پوچھا۔

''میں کوشش کروں گا۔''

اسی وقت روشن آغا برآمدے میں ظاہر ہوئے اور باغ کی طرف دیکھے بغیر دوسرے بازو کی طرف چلے گئے۔

''آج روشن آغا ناراض ہیں۔'' عذرا نے کہا۔

''کیوں؟''

''پرویز کے بیاہ کی بات ہو رہی تھی۔''

''پھر؟''

''سب کا خیال ہے کہ اسے جمیلہ سے شادی کر لینی چاہیے۔ وہ نہیں کرتا۔''

''کیوں نہیں کرتا؟''

''وہ [illegible] ہے۔''

رات پڑنے پر سرس کے درخت کے پتے بند ہو کر لٹک گئے تھے۔ سڑک پر ایک بیل گاڑی رواں رواں کرتی گزر رہی تھی اور بیلوں کو چلاتے ہوئے دو جاٹ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ چہرے پر چلتی ہوئی ہوا گرم اور خوش گوار تھی۔ نعیم نے میز پر انگلیاں پھیلا دیں۔

''کیا یہ ممکن ہے' عذرا...... میں نے پوچھا تھا' کیا یہ ممکن ہے؟''

اس نے رک رک کر روز کی معمولی' غیر جذباتی آواز میں کہا۔

''روشن پور کب جاؤ گے؟''

''تم نے پہلے بھی پوچھا تھا۔ کیوں پوچھتی ہو؟''

''تم اپنے والدین سے ملنے جاؤ گے۔''

نعیم کا رنگ سفید ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ بہت سی طاقت اس کے گھٹنوں میں سے گزر کر نیچے زمین میں جا رہی ہے۔ وہ آہستہ سے گھاس پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

''لیکن خالد نے مجھے بتایا تھا کہ تم سرکاری نوکری میں نہیں جا سکتے۔'' عذرا نے کہا اور نعیم کی انگلیوں کو دیکھنے لگی' جو سبزے پر بہت سفید لگ رہی تھیں۔ وہ دوزانو بیٹھا ہوا سفید پتھر کے مجسمے کی طرح خوبصورت اور نازک نظر آ رہا تھا۔

پھر وہ اٹھی اور بات کئے بغیر برآمدے کی طرف چلی گئی۔

جب نعیم پھاٹک سے نکل رہا تھا تو چوکیدار نے بڑھ کر کوئی بات کی جس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بند مٹھی کی طرح کوئی وزنی' بدمزہ سی شے اس کے معدے میں پڑی تھی۔ سڑک پر چند قدم چلنے کے بعد دفعتاً دھوئیں کی طرح بل کھاتا ہوا غصہ اس کے سر میں چڑھا۔ اس نے چھلانگ لگا کر نالی پار کی اور باڑ میں سے منہ نکال کر چیخا: ''لیکن تمہاری ماں...... وہ بری عورت ہے اور خالہ بھی۔''

چوکیدار نے قریب آ کر پھر کوئی بات کی۔

''جاؤ......'' وہ آنکھیں نکال کر دھاڑا اور سڑک پر بھاگنے لگا۔

(۵)

چند روز کے بعد نعیم روشن پور کے لئے روانہ ہوا۔ ریل کا سفر خاموشی سے طے ہوا۔ سوائے ایک ناگوار واقعے کے جو رانی کوٹ سے ایک سٹیشن ادھر پیش آیا۔

علی پور سے گاڑی چلی تو وہ جس سے گھبرا کر ڈبے کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ پلیٹ فارم پر بھاگتا ہوا ایک بوڑھا آدمی [illegible] میں اڑسی ہوئی گٹھڑی جھول رہی تھی اور اس کا چہرہ لو میں کام کرتے رہنے کی وجہ سے جھلسا ہوا تھا' جیسے عام کسانوں کا ہوتا ہے۔ نعیم نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر گاڑی تیز ہوگئی۔ آخر ''مر جائے گا۔ کٹ جائے گا'' کے شور میں اس نے لپک کر ساتھ والے درجہ اول کا ہینڈل پکڑا اور کسانوں کی طرح ٹانگیں پھیلا کر چھلانگ لگائی۔

جب وہ جم کر پائیدان پر کھڑا ہو گیا تو شرمندگی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کئی خشمگیں چہرے گردنیں بڑھا بڑھا کر اسے گھور رہے تھے۔

''اگر مر جاتا تو؟'' نعیم نے غصے سے چلا کر کہا۔

بڈھے کا بے دانت کا منہ اچانک سادہ' شرمیلی ہنسی میں پھیل گیا۔ ''میری بیوی گاڑی میں ہے۔''

''بے وقوف!''

جواب دینے کی بجائے اس نے لاٹھی سے دروازہ کھٹکھٹایا اور گٹھڑی کی گانٹھ کسنے لگا۔ دروازہ کھلا اور ایک سفید فام چہرہ اور ننگا بدن ظاہر ہوا۔ گورے کی آنکھیں نیند سے سرخ ہو رہی تھیں۔ ڈبے میں خنک اندھیرا تھا۔

''کیا مانگتا...... کیوں آیا؟'' گورا آنکھیں نکال کر چیخا۔

جواب میں کسان اسی طرح سادگی سے ہنسا۔ ''میں نیچے بیٹھ جاتا ہوں۔ اگلے سٹیشن پر اتر جاؤں گا۔ میری بیوی گاڑی میں ہے۔'' اس نے کہا اور اطمینان سے دروازے میں بیٹھ کر گٹھڑی کسنے لگا۔

”نیچے جاؤ مانگنا...... آں؟ سنا؟“ پاؤں سے وہ اسے نیچے دھکیلنے لگا۔

”گاڑی بھاگ رہی اے صاب۔ کہاں جاؤں؟“

”آں؟ نا میں جاؤ؟ آں؟“ اس نے پیر کی ٹھوکر سے کسان کی گٹھڑی باہر اچھال دی جو اڑتی ہوئی زمین پہ گری اور لوگوں نے اس میں سے باجرہ اور گڑ بکھرتے ہوئے دیکھا۔ ’جاؤ۔‘

”ہا...... میرا باجرہ“ بڈھے کا منہ کھل گیا۔ پھر وفعتاً غصے سے ہنستا ہوا وہ اٹھا اور لاٹھی گورے کی ٹانگوں پہ مارنے لگا۔ ”مجھے مار دو۔ پھینک دو باجرہ...... میرا گڑ۔ میں تمہارے باپ سے بھی لوں گا۔ گورے سؤر...... اب میں اپنی لڑکی کے لئے کیا لے کر جاؤں؟ ہیں؟“ چیخنے سے رال اس کی داڑھی پر بہنے لگی۔ انگریز نے اس کی لاٹھی چھین کر نیچے پھینک دی اور بڑے بڑے بوٹوں والے پاؤں اندھا دھند اس کے چہرے اور چھاتی پر مارنے لگا۔

”اپنی لڑکی کے لئے ایک سؤر لے جاؤ۔“ اس نے انگریزی میں کہا۔ پھر وہ گالیاں بکنے اور بے تحاشا ٹھڈے چلانے لگا۔ اس کا ایک بوٹ [illegible] آنکھیں بند ہو گئیں۔ لیکن اس کا بازو ابھی تک ہینڈل کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ لو سے جھلسے ہوئے چہرے پر خون کی دھاریاں بہہ رہی تھیں اور اس کی داڑھی خون، پسینے اور رال سے لتھڑ گئی تھی۔

جب رانی کوٹ کے سٹیشن پر دو گورے سارجنٹوں نے آ کر اسے ہینڈل سے علیحدہ کیا تو وہ گندم کی بوری کی طرح زمین پر [illegible] پولیس والوں کے جواب میں اس نے کچھ کہا جس پر دونوں سارجنٹوں نے مستعدی سے فوجی سلام کیا اور بولے: ”لیکن آپ زیر حراست ہیں۔“

”باہ......“ گورے نے گال پھلا کر کہا اور کھڑکی گرا دی۔ سارجنٹ دونوں ہینڈل پکڑ کر پائیدان پر کھڑے ہو گئے۔

”وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ پر بوڑھا مر گیا۔“ نعیم نے کسی سے بات کی۔

”تو کیا ہوا؟“ سنہری چشمے اور بڑے سے ماتھے والے ایک آدمی نے کہا۔

”وہ عدالت میں تو پیش ہوگا۔“ نعیم نے خفگی سے کہا۔

”ضرور ہوگا۔ ضرور ہوگا۔“ وہی آدمی بولا۔ ”یہ لوگ بڑے قانون دان ہوتے ہیں۔ لیکن جیوری میں کون ہوگا؟...... تمہارا کوئی چچا جیوری میں ہے؟“ وہ جانے کے لئے مڑا، پھر پلٹ کر نعیم کے پاس آ کھڑا ہوا۔

”یہ سنو، میں تمہیں بتاتا ہوں برخوردار آج ہی رات کو اپنی بیوی کے ساتھ جا کر سوئے گا۔ میں نے اپنی عمر میں ایسے پچاس سے اوپر واقعات دیکھے ہیں۔ ایسے مقدموں کے لئے سفید جیوری ہوتی ہے۔ بالکل سفید۔“

نعیم اس کے لہجے کی تیزی سے گھبرا گیا۔ جب وہ پلیٹ فارم کے باہر جا رہا تھا تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ ایک بھدی سی بوڑھی کسان عورت لاش کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھی۔

چودہ کوس کا سفر نعیم نے ایک مریل سی سیاہ گھوڑی پر طے کیا۔ گاؤں کا ایک کمین' جو اسے لینے آیا تھا' ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ پگڈنڈیوں کے دو رویہ جھڑبیریاں اور خودرو جھاڑیاں کثرت سے اگی ہوئی تھیں۔ اس کا راہبر مستقل باتیں کر رہا تھا:

''اس سال چوہدری نیاز بیگ نے خود غلہ کاشت کیا۔ بڑی بھاری فصل ہوئی۔ تین من تو مجھ کو دیے اور یہ گھوڑی خریدی۔ بڑا اول نسل کا جانور ہے۔'' اس نے گھوڑی کی پیٹھ پر ہاتھ مارا جو ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ''مگر یہ جاٹ گھر کے جولاہوں کے پاس تھی۔ انہوں نے اس کا ناس مار دیا' کمبخت کمین۔ جانور پر ظلم کرنا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے بھائی۔ چوہدری نیاز بیگ کے بعد تو زمین ویران ہو گئی تھی۔ بہت تمہارے کی' کم ذات کتو۔ ہم تمہارے گاؤں میں نہیں ٹھہرتے' فکر نہ کرو۔ اب دفع ہو جاؤ۔ اب کی بار پانی کی تنگی رہی' چاول کی کاشت نہیں ہو سکی مگر......''

شام پڑ رہی تھی جب دھندلکے میں انہیں روشن پور کے پیڑ دکھائی دیے۔ ''کتوں کی پروا نہ کرو۔ ان کی بھونکنے کی پرانی عادت ہے۔ ہمیں پہچان کر خاموش ہو جائیں گے۔ نیاز بیگ آ گیا......''

نیاز بیگ ایک بڑے سے کیکر کے نیچے لیٹا ہوا تھا۔ ان پر نظر پڑتے ہی اچھلا اور باہیں پھیلا کر دوڑتا ہوا آیا۔ پتلی چھڑی' جو بلاتے ہوئے تھا' پرے پھینکی اور نعیم سے لپٹ گیا۔ پہلے اس نے اپنے بیٹے کو چھاتی پر چوما' پھر چہرہ کھینچ کر قریب لایا اور منہ ہی منہ میں ناقابل فہم الفاظ بڑبڑاتا ہوا اس کے ماتھے' گال اور کانوں کو چومنے لگا۔ لپٹنے اور چومنے کے ... محسوس کیا کہ اس کی داڑھی سخت کھردری تھی اور جسم سے پسینے اور سبز چارے کی بو آ رہی تھی۔

پھر نعیم سے جدا ہو کر وہ اس کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا: ''اتنی دیر لگائی؟ پیدل چلاتا لایا؟ یا باتیں کرتا رہا ہو گا۔ باتونی میراثی۔ میں تم کمین لوگوں کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔'' اس نے ہوا میں انگلی نچا کر کہا اور گھوڑی کی باگ پکڑ کر چلنے لگا۔ میراثی اس کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش میں بحث کر رہا تھا۔ لیکن اس نے کچھ نہ سنتے ہوئے نعیم کی کمر میں ٹہوکا دیا۔ ''دیکھا کیسے باتیں کر رہا ہے؟ میں خوب سمجھتا ہوں۔ کمین کی ذات کو خوب سمجھتا ہوں۔ تمہارا دل کالا اور زبان روشن ہوتی ہے۔ اب تم فصل پر آنا۔ تمہیں چودنی کا فصلہ دوں گا۔ پورا تین من۔'' اس نے ہوا میں مکا چلایا اور مصنوعی غصے سے اچھل اچھل کر چلنے لگا۔

گھر کے باہر دو عورتیں کھڑی اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔ نیاز بیگ لال پیلا ہو کر ان سے مخاطب ہوا: ''دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا اس باتونی میراثی کو مت بھیجو۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔''

پھر وہ اچھل کر گھوڑی پر سوار ہو گیا اور عورتوں کے گرد ایک چکر کاٹا' پھر کود کر اترا اور چھڑی سے بے تحاشا اسے پیٹنے لگا۔ ''جولاہوں کمینوں نے تجھے کچھ نہیں کھلایا۔ ہیں؟ مکڑے کی طرح چلتی ہے...... کمینی......'' گھوڑی ٹانگیں پھیلائے خاموش کھڑی رہی۔

بوڑھی عورت روتی ہوئی نعیم سے لپٹ گئی اور اس کے سارے جسم پر چومنے لگی۔ اس کے بالوں سے گھی کی بو

رہی تھی۔ "میرے بچے.... میرا بچہ" وہ کہے جا رہی تھی۔ دوسری نسبتاً جوان عورت پاس کھڑی ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہی تھی اور روتی ہوئی کچھ بڑبڑاتی جا رہی تھی جو نعیم کے لئے ناقابل فہم تھا۔ دو کتے ان کے پاس آ کر لڑنے لگے۔ نیاز بیگ گھوڑی کو چھوڑ کر گالیاں دیتا ہوا بھاگا اور دور تک ان کے پیچھے دوڑتا ہوا چلا گیا۔ آس پاس کے گھروں سے مرد اور عورتیں دیے اور لالٹینیں لے کر نکل آئے۔ نیاز بیگ نے اسے اندر کی طرف کھینچا۔

"انہیں چھوڑو۔ یہ بے وقوف عورتیں ہیں۔ تمہارا باپ مر گیا جو رو رہی ہو؟"

گلی کی نکڑ پر سے ایک نوجوان سکھ لڑکے نے پکار کر پوچھا "چاچا تیرا بیٹا آ گیا؟"

"ہاں' ہاں آ گیا۔" اس نے جلدی سے نعیم کو بے کواڑ کے دروازے میں سے اندر کھینچا۔ "یہ غیر تعلیم یافتہ آوارہ لونڈے ہیں۔ تمہیں ان سے دوستی رکھنے کی ضرورت نہیں۔"

مویشیوں کے احاطے میں دو بھینسیں بیٹھی جگالی کر رہی تھیں' دو بیل چارہ کھا رہے تھے۔

"یہ میں نے اس سال تیرے مہینے میں خریدا تھا" نیاز بیگ نے اپنے خشک' مضبوط ہاتھ سے بیل کی پیٹھ تھپکی دی۔ "چار من غلے میں آیا۔ پچھلی منڈی میں اسے کاغذ ملا تھا۔ بہترین نسل کا جانور ہے۔ کیوں چوہدری؟"

"ہاں چوہدری۔" میراثی نے جواب دیا۔ "نہیں بیس کوس میں اس کا جواب نہیں۔ جاٹ نگر کے چوہدریوں کا بیل بھی مر کے ایک کھیت تیار کرتا ہے۔ اس ہیرے نے سورج سر پر آنے سے پہلے پہلے ڈیڑھ کھیت کیا ہے۔ میر... [illegible]"

"سچ ہے۔ بالکل سچ۔" نیاز بیگ نے فخر سے کہا۔ پھر وہ عورتوں کو مخاطب کر کے بولا: "ہو ہو بند کرو بے وقوف عورتو' تم نے چاول نہیں نکالے۔ آؤ چوہدری بیٹھو۔ چاول کھاؤ......"

اس نے دوستانہ انداز میں میراثی کا کندھا تھپکا۔

UrduPhoto.com

جب وہ کھانے پر بیٹھے تو اس کی ماں بھاگ کر سٹول لے آئی اور اصرار کر کے نعیم کو اس پر بٹھلایا۔

"بیٹھو بیٹھو۔ یہ سٹول میں نے خود بنایا ہے۔" اس کے باپ نے کہا۔

ایک بڑے سے تھال میں سفید ابلے ہوئے چاول نکال کر بڑھیا نے ان پر سرخ شکر چھڑکی اور گرم گرم مکھن انڈیلا جو شکر اور چاولوں میں جذب ہو گیا۔ پھر احتیاط سے اٹھا کر اسے کمرے کے وسط میں لا رکھا۔ گھر کے تینوں مرد اس کے گرد بیٹھ گئے اور اپنے اپنے آگے سے کھانے لگے۔ سٹول پر بیٹھے بیٹھے نعیم نے جھک کر دو چار نوالے لئے' پھر جھلا کر اسے پیچھے لڑھکا دیا۔

"یہ فضول ہے۔"

اسے زوروں کی بھوک لگی تھی۔ ادھر ادھر دیکھے بغیر اس نے آدھا تھال خالی کر دیا۔ حتیٰ کہ اس کی خالی کی ہوئی جگہ بڑھتی بڑھتی اس کے باپ اور چھوٹے لڑکے کے آگے کی خالی جگہوں کی حدود سے جا ملی۔ نعیم نے ہاتھ کھینچ

لیا۔ اس کی ماں نے بڑی احتیاط سے کرتے کے دامن میں پکڑ کر اس کا ہاتھ صاف کیا۔ پھر اس نے چھوٹے لڑکے کی گردن میں پنکھے کی ڈنڈی چبھوئی۔

''کم کھا۔ پھر تیرا پیٹ دو دو گھڑی پر کھلنے لگے گا۔'' لڑکا خاموشی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

''یہ کون ہے؟''

''یہ بڑھیا کا بھتیجا ہے۔ اس کے ماں باپ بڑے بچپنے میں مر گئے۔''

''یہ تمہارے ماموں کا لڑکا ہے۔'' بڑھیا نے بتایا۔ ''اس کی بیوی کم ذات نے اس پر جادو کر دیا تھا۔''

''جھوٹ مت بول۔ بے وقوف۔ وہ ہیں گاؤں میں سب سے خوبصورت عورت تھی۔'' نیاز بیگ نے ہاتھ روک کر کچھ سوچا' پھر خیال ہی خیال میں مسکرایا اور تھال پر جھک گیا۔ اس کی بیوی نے سارے چاول اس کے آگے سمیٹے' پھر مکھن والا برتن اوندھا کر کے انگلی سے پونچھ کر آخری قطرہ تک ان پر ٹپکایا اور تھال اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ لانچیوں کی طرح چاولوں پر پل پڑا۔

دیوار پر لٹکی ہوئی لالٹین کی روشنی اپلوں کے دھوئیں میں اور بھی مدھم ہو گئی تھی۔ نیاز بیگ کی آنکھوں کے حلقے آدھے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔ رخساروں کی ہڈیاں سیاہ تھیں۔ گالوں میں گڑھے پڑ گئے تھے اور جبڑے کی ہڈی مضبوط اور [illegible] تھی۔ وہ ایک فاقہ زدہ بوڑھے بیل کی طرح چہرے کی تمام ہڈیوں اور پٹھوں کی نمائش کرتا ہوا کھا رہا تھا۔ اس کی آ[illegible] خوبصورت رہا ہو گا۔ نعیم یہ سوچ کر لرز گیا کہ اس کی اپنی شکل اپنے باپ سے کس قدر میل کھاتی ہے۔

''وہ چڑیل تمہیں دکھانے کو رو رہی تھی۔'' بڑھیا نے پنکھا نیاز بیگ کے کندھے میں چبھویا۔

''کون؟''

''وہی..... اب رات کو ٹونا کرے گی۔''

''بکواس مت۔'' وہ یوں چاولوں پر جھک گیا گویا ان پر خفا ہو رہا تھا۔

''وہ کون تھی' جو رو رہی تھی؟'' نعیم نے پوچھا۔

''وہ دوسری عورت ہے۔'' اس کی ماں نے بتایا۔ ''تمہیں اس کے گھر جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جادوگرنی ہے۔''

جب چاول تھوڑے سے رہ گئے تو نیاز بیگ نے برتن اپنی بیوی کے آگے سرکایا اور انگلیوں سے داڑھی اور سر کے بال چکنے کئے۔

''آپ کب آئے؟''

نیاز بیگ نے خالی خالی نظروں سے نعیم کو دیکھا۔ ''پار سال چھٹے مہینے۔''

گو رات بے حد گرم تھی اور صحن کی زمین گوبر کے اپھروں سے اٹی پڑی تھی' پر نعیم بے سدھ ہو کر سویا رہا۔

UrduPhoto.com